36

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا سامان مہیا فرما دیا ہے

موجودہ فتنہ میں حصہ لینے والوں کے لیے صحیح رستہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے اور مخالف اخبارات کے بیانات کی تردید شائع کراتے

(فرمودہ 14 ستمبر 1956ء بمقام مری)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''سورۃ فاتحہ قرآن کریم کی ایک ایسی سورۃ ہے جو ہر جگہ پر کام آ جاتی ہے۔ یوں تو سارا قرآن ہی ایسا ہے جو نور اور ہدایت سے معمور ہے لیکن سورۃ فاتحہ میں یہ خوبی ہے کہ یہ سات چھوٹی چھوٹی آیتوں کی سورۃ ہے اور قرآن کریم کے تمام مضامین اجمالی طور پر اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ میں ابھی بچہ تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک فرشتہ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی ہے۔ یہ خواب میں نے اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے

(کیونکہ درحقیقت یہ مامورین کا کام ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی خوابیں اور الہامات سنائیں) اپنے ساتھیوں کو بھی سکول میں سنا دی اور انہیں کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جب بھی میں سورۃ فاتحہ پر غور کروں گا اللہ تعالیٰ مجھے اس کے نئے نئے مضامین اور مطالب سمجھائے گا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اُنہی دنوں ہمارے مدرسہ کی ٹیم کا خالصہ کالج امرتسر کی ٹیم کے ساتھ میچ مقرر ہو گیا۔ چنانچہ ہماری ٹیم میچ کھیلنے کے لیے امرتسر گئی۔ میں اگرچہ کھلاڑی تھا مگر اُس ٹیم میں شامل نہیں تھا۔ تاہم دوست مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ جب میچ ہوا تو ہماری ٹیم نے سکھوں کے خالصہ کالج کی ٹیم کو بڑی بُری طرح شکست دی۔ اِس پر مسلمان بڑے خوش ہوئے اور انجمن اسلامیہ امرتسر والوں نے جس کے سیکرٹری یا پریذیڈنٹ شیخ صادق حسن صاحب بھی رہے ہیں کہا کہ ہم اِس خوشی میں آپ لوگوں کو ایک پارٹی دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پارٹی ہوئی اور میرے ساتھی مجھے بھی اس میں لے گئے۔ ہم وہاں بیٹھے ہی تھے کہ اُن کا ایک عہدیدار میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بعد میں آپ نے تقریر بھی کرنی ہے۔ میں حیران ہوا کہ مجھے تو نہ تقریر کی عادت ہے اور نہ اس موقع کے لیے میں نے کوئی تیاری کی ہوئی ہے۔ میں بغیر تیاری کے کیا تقریر کروں گا۔ پھر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی نئی بات بیان کی جائے تو وہ اُسے پسند کرتے ہیں۔ لیکن اگر پرانی باتیں بیان کی جائیں تو کہتے ہیں ان باتوں کا کیا ہے یہ باتیں تو ہم نے بارہا سنی ہوئی ہیں۔ بہرحال میں تقریر کے لیے کھڑا ہوا اور میں نے اُس وقت سورۃ فاتحہ پڑھی۔ سورۃ فاتحہ کے پڑھتے ہی مجھے خیال آیا کہ ابھی میں اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ فرشتے نے مجھے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب بھی اِس پر غور کروں گا اللہ تعالیٰ مجھے اس کے نئے نئے مضامین سمجھائے گا۔ اب اگر میں نے سورۃ فاتحہ سے کوئی نئی بات بیان نہ کی تو یہ لوگ اعتراض کریں گے کہ ہم نے اس رؤیا کے بعد پہلی دفعہ تقریر میں آپ سے سورۃ فاتحہ سُنی اور پھر بھی آپ نے پرانے مضامین ہی دُہرا دیئے۔ اِس خیال سے میں بڑا گھبرایا مگر معاً اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک نکتہ ڈال دیا اور میں نے کہا کہ سورۃ فاتحہ ایک ایسی سورۃ ہے کہ جس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کے علمِ غیب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سورۃ پہلی دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں

نازل ہوئی ہے۔ جب یہ سورۃ پہلی دفعہ مکہ میں نازل ہوئی تو اُس وقت سارا مکہ مشرک تھا۔ عیسائی اور یہودی نہ تھا عیسائیوں کے صرف ایک دو غلام تھے جو مکہ میں رہتے تھے اور یہودی تو وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ پھر جب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو بیشک یہودیوں کے کچھ قبائل مدینہ میں اور کچھ خیبر میں موجود تھے مگر عرب پر اصل حکومت مشرکوں کی ہی تھی۔ غرض مکہ میں بھی مشرک تھے اور مدینہ میں بھی مشرک تھے۔ مگر دعا یہ سکھلائی گئی کہ یااللہ! تُو ہمیں یہودی بننے سے بچائیو۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ سب سے پہلے یہ دعا سکھائی جاتی کہ یااللہ! ہمیں مشرک ہونے سے بچائیو، یا اللہ! ہمیں مکہ والوں کے دین میں داخل ہونے سے بچائیو مگر کہا یہ گیا ہے کہ خدایا! ہم مغضوب اور ضالّ نہ ہو جائیں1۔ اور جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی تشریح فرمائی ہے مغضوب سے یہود اور ضالّین سے نصارٰی مراد ہیں۔2 حالانکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اُس وقت مکہ میں صرف چند عیسائی تھے اور وہ بھی نہایت ادنیٰ حالت میں تھے اور مکہ کے لوہاروں کے پاس نوکر تھے باقی سارے مشرک تھے۔ مگر دعا سکھاتے وقت مشرکوں کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اِسی طرح جب مدینہ میں یہ سورۃ دوبارہ نازل ہوئی تو اُس وقت بھی مدینہ میں یہود کا کوئی زور نہیں تھا ان کے صرف ایک دو قبیلے موجود تھے۔ مگر زیادہ طاقت مشرکوں کو ہی حاصل تھی۔ بیشک روم میں عیسائیوں کی حکومت تھی مگر عرب لوگ روم کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایران کی حکومت بڑی ہے اور پھر وہ بھی مدینہ سے آٹھ سَو میل دور تھی۔ غرض مکہ اور مدینہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں یہودیوں اور عیسائیوں کا کوئی زور نہیں تھا سارا زور مشرکوں کو حاصل تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کہا تم دعا یہ کرو کہ ہم عیسائی نہ ہو جائیں جن کے مکہ میں صرف ایک دو غلام تھے۔ اور دعا یہ کرو کہ ہم یہودی نہ ہو جائیں حالانکہ مدینہ میں اگرچہ کچھ یہود موجود تھے مگر وہ مشرکوں کے تابع تھے خود ان کو کوئی طاقت حاصل نہیں تھی۔ غرض جن کو طاقت حاصل تھی اور جن کا ملک تھا اُن کا تو کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے فتنہ سے بچنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے۔ یہ سوال تھا جو میں نے اپنی تقریر میں اُٹھایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اِس کا جواب بھی سمجھا دیا اور میں نے کہا اِس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں اور

عیسائیوں نے دنیا میں قائم رہنا تھا۔ لیکن مکہ کا مذہب اُس وقت تباہ ہو جانے والا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مکہ والوں کی پروا نہ کرو تم یہ دعا کرو کہ ہم یہودی اور عیسائی نہ ہو جائیں کیونکہ انہوں نے قائم رہنا ہے۔

میری اِس تقریر کا ان لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور بعد میں بھی وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس آئے۔ غرض سورۃ فاتحہ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ 3 کی دعا اپنے اندر بڑی بھاری برکات رکھتی ہے اور جو شخص بھی التزام کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم نہیں رہتا۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک غیر احمدی مولوی جو ہوشیار پور کا رہنے والا تھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مرزا صاحب کی صداقت کا آپ قرآن سے کوئی ثبوت پیش کریں۔ حدیث میں نہیں مانتا صرف قرآن کو تسلیم کرتا ہوں۔ اس لیے آپ قرآن سے مرزا صاحب کی صداقت ثابت کریں۔ میں نے کہا اگر میں کوئی آیت پیش کروں گا تو ممکن ہے اس سے آپ کی تسلی نہ ہو۔ اس لیے آپ خود قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ دیں میں اُسی سے حضرت مرزا صاحب کی صداقت ثابت کر دوں گا۔ اِس سے پہلے وہ یہ سوال اُٹھا چکا تھا کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب کی کیا ضرورت ہے۔ جب میں نے کہا کہ آپ قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ دیں میں اُسی سے ثابت کر دوں گا کہ حضرت مرزا صاحب سچے ہیں تو اس نے سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع کی یہ آیت پڑھ دی کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ 4 اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے کافی نہیں ہوتا بلکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخر پر ایمان لائے ہیں لیکن خدا کے نزدیک وہ مومن نہیں ہوتے۔ وہ اپنے دعوٰی کے ذریعہ مومنوں کو اور اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے دھوکے کا نتیجہ ان کی اپنی جانوں کو ملتا ہے۔ ان کے دلوں میں مرض ہے اور

اللہ تعالیٰ نے ان کی انہی باتوں کی وجہ سے ان کی مرض کو بڑھا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی تدبیر کرے گا کہ ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

دوسری طرف قرآن کریم فرماتا ہے کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا 5 جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں قوم پر عذاب نازل نہیں کیا کرتے۔ اب بتائیے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ بسااوقات لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا رہے ہیں لیکن درحقیقت وہ مومن نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرض کو بڑھاتا چلا جاتا ہے اور آخر ان کو عذاب دینے کے لیے رسول مبعوث کرتا ہے۔ اب آپ خود ہی بتائیں کہ تیس سیپاروں میں سے آپ نے یہ آیت چُنی تھی اور اس نیت سے چُنی تھی کہ مرزا صاحب سچے ثابت نہ ہوں لیکن یہی آیت آپ کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اِس پر وہ سخت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ بیشک اس آیت سے تو میرا اعتراض حل ہو جاتا ہے۔

غرض سورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ 6 والی دعا بڑی جامع دعا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ورنہ ہدایت کا میسر آنا ان کے لیے کوئی مشکل نہ رہے۔

قادیان میں ایک دفعہ ایک ہندو میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے میرے آقا نے آپ کے پاس بھجوایا ہے اور دریافت کیا ہے کہ کیا نُور ملنے کا بھی کوئی طریق ہے؟ پہلے تو اُس نے یہ نہ بتایا کہ کون اُس کا آقا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے اور بات کو چھپانا چاہا مگر جب میں نے جرح کی تو کہنے لگا کہ وہ بڑے ٹھیکے دار ہیں۔ ان کے پاس عمارتوں اور نہروں کا ٹھیکہ ہوتا ہے اور ہندوستان میں ان کا ایک بڑا بھاری کارخانہ بھی ہے۔ آخر بہت سی باتوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ سردار بلدیو سنگھ صاحب جو ہندوستان کے ڈیفنس منسٹر رہے ہیں ان کے والد نے اسے بھجوایا تھا۔ ٹاٹانگر کے پاس ان کا بڑا بھاری کارخانہ ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ تو سِکھ ہیں اور تم ہندو ہو۔ تمہارا اُن کے ساتھ کیسے تعلق ہوا؟ اِس پر اُس نے کہا کہ میں اور وہ بچپن میں اکٹھے پڑھتے رہے ہیں اور ان کے ساتھ میری بڑی دوستی ہے۔ اب انہوں نے اس دوستی کی وجہ سے ایک دفتر کا مجھے انچارج بنایا ہوا ہے اور مذہبی خیالات کا تبادلہ مجھ سے

کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم مرزا صاحب سے جا کر پوچھو کہ کیا نور ملنے کی بھی کوئی تدبیر ہے؟ میں نے کہا یہ ہماری تو اصطلاح نہیں سِکھوں کا ایک محاورہ ہے جو ان میں رائج ہے۔ مگر بہرحال ہم جس چیز کو ہدایت کہتے ہیں وہ اس کا نام نور رکھتے ہیں اور ہدایت ملنے کا راستہ میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔ مگر چونکہ اُس نے شروع میں ہی کہہ دیا تھا کہ وہ بڑے مالدار ہیں اور کروڑ پتی ہیں اس لیے میں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ گو میں عیسائی نہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی کا قائل ہوں اور آپؑ فرماتے ہیں کہ اونٹ کا سُوئی کے ناکہ میں سے گزر جانا آسان ہے لیکن دولتمند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔7 اب خواہ میں عیسائی نہیں مگر پھر بھی میرے مسلّمہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہہ چکے ہیں کہ دولتمند کو ہدایت ملنی ناممکن ہے۔ اس لیے گو میں تمہیں نور حاصل کرنے کا راستہ بتا دوں گا مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ نور کو قبول نہیں کریں گے۔ کہنے لگا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نور مل بھی جائے اور پھر بھی انسان اس کو چھوڑ دے؟ میں نے کہا حضرت مسیحؑ نے ایسا ہی کہا ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے نور دیکھنے کے باوجود نور کو قبول کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ خیر باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے تو خود مسلمان بھی کافر کہتے ہیں۔ پھر تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ کہنے لگا میرا آقا کہتا تھا کہ ہم مسلمان پیروں کے پاس بھی گئے ہیں، ہندوؤں کے پاس بھی گئے ہیں اور سِکھوں کے پاس بھی گئے ہیں مگر ہمیں کہیں نور نہیں ملا۔ اب چلو! ان کے پاس بھی جا کر دیکھ لیں۔ میں نے کہا میں نور دکھانے کا ذمہ دار ہوں۔ مگر مسیحؑ کی بات پوری ہو کر رہنی ہے کہ تم نے اسے ماننا نہیں۔ کہنے لگا یہ تو عجیب بات ہے کہ نور مل بھی جائے اور پھر بھی انسان اسے قبول نہ کرے۔ میں نے کہا ایک خدارسیدہ انسان نے ایسا کہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل درست ہے۔ اس نے کہا آپ ہمیں نور ملنے کا راستہ بتائیں وہ اسے ضرور قبول کریں گے۔ اِس پر میں نے اسے یہی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ والی دعا لکھوا کر دے دی اور میں نے کہا کہ تم اس کے معنے پہلے اچھی طرح سمجھ لو۔ اس میں یہ نہیں لکھا کہ الٰہی! میں مسلمان ہو جاؤں۔ اگر یہ دعا سکھائی جاتی تو تم کہہ سکتے تھے کہ میں تو ہندو ہوں میں مسلمان ہونے کی دعا کس طرح

مانگ سکتا ہوں۔ تمہارا آقا کہہ سکتا تھا کہ میں تو سِکھ ہوں میں مسلمان ہونے کی دعا کس طرح مانگ سکتا ہوں۔ اگر میں یہ دعا کروں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ پہلے اپنے مذہب کی سچائی پر شک کروں اور میں اس کے لیے تیار نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا مذہب ہی سچا ہے مجھے کسی اَور مذہب کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر اس میں مسلمان ہونے کی دعا سکھلائی جاتی تو تمہیں اس پر اعتراض ہوسکتا تھا۔ لیکن اس میں دعا یہ سکھائی گئی ہے الٰہی! مجھے سیدھا راستہ دکھا۔ اور سیدھے راستہ کی دعا ہر شخص کر سکتا ہے اور ہر شخص اس کا محتاج ہوتا ہے۔ تمہارے آقا کو سِکھ ہونے کے باوجود ضرورت ہے کہ اُسے سیدھا راستہ نظر آئے اور تمہیں ہندو ہونے کے باوجود ضرورت ہے کہ تمہیں سیدھا راستہ نظر آئے۔ پس یہ دعا ایک بڑی جامع دعا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بڑا زبردست ثبوت ہے کیونکہ اس میں یہ دعا نہیں سکھائی گئی کہ الٰہی! ہمیں اسلام کا راستہ دکھا بلکہ یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ الٰہی! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ میں ہی سیدھے راستہ پر ہوں۔ اور جب کوئی سیدھے راستہ کی دعا مانگے گا تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے میرے پاس بھیجے گا۔

غرض میں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو بلایا اور اُسے کہا کہ چونکہ یہ عربی نہیں جانتے اس لیے اس دعا کا ترجمہ انہیں پنجابی میں لکھ کر دے دو۔ چنانچہ انہیں اس کا پنجابی ترجمہ لکھ کر دے دیا گیا۔ اور میں نے کہا کہ روزانہ سوتے وقت آپ لوگ یہ دعا پڑھا کریں۔ مگر جس وقت یہ دعا کریں اُس وقت اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ اے خدا! تُو ہمیں کہیں بھی ہدایت دکھائے ہم اُسے قبول کرلیں گے۔ اگر اِس دعا کے کرتے وقت آپ نے دل میں یہ فیصلہ نہ کیا کہ خدا جو بھی ہدایت دے گا ہم اُسے قبول کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو نُور نہیں دکھائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مداری نہیں۔ وہ فضول کھیلیں نہیں دکھایا کرتا۔ ہاں! اگر آپ کے دل کی کمزوری کی وجہ سے بعد میں آپ سے کچھ غلطی ہو جائے تو اَور بات ہے۔ چور چوری سے توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا ہے حالانکہ دوسرے دن وہ توبہ توڑ کے پھر چوری کرنے لگ جاتا ہے۔ پس اگر نفس میں کوئی کمزوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کی پروا نہیں

کرے گا۔ وہ صرف یہ دیکھے گا کہ اس وقت آپ کی نیت یہ ہے کہ اس کی ہر ہدایت کو قبول کریں گے۔ اِس پر وہ چلا گیا۔ پندرہ بیس دن کے بعد اُس کی چٹھی آئی کہ آپ کی بات سچی ہوگئی۔ خدا تعالیٰ کا نور میرے آقا کو نظر آ گیا ہے مگر اِس کے ساتھ ہی آپ کی یہ دوسری بات بھی سچی ہوگئی کہ اُن سے مانا نہیں جائے گا۔ اب نور تو نظر آ گیا ہے مگر انہیں اس کو قبول کرنے کی ہمت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی صداقت کے متعلق کوئی اشارہ کر دیا ہوگا مگر پھر اس نے سوچا ہوگا کہ اگر میں نے اسلام قبول کر لیا تو میرے بیٹے کی وزارت بھی جائے گی اور میرا کارخانہ بھی تباہ ہو جائے گا اس لیے اسلام قبول کرنے کا کیا فائدہ؟

غرض اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے اس دعا میں ہدایت اور راہنمائی کا سامان رکھا ہوا ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور وہ سیدھا راستہ اختیار کرنے کی بجائے غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً موجودہ فتنہ میں بھی یہ راستہ کھلا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے اِس میں حصہ لیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے کہ الٰہی! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ان دنوں جماعت سے بُعد اختیار کیا ہے ان میں سے صرف ایک شخص ایسا ہے جس نے صحیح راستہ اختیار کیا ہے باقی کسی نے بھی صحیح طریق اختیار نہیں کیا۔ اس نے پہلے توبہ کی مگر جب اسے کہا گیا کہ تمہاری توبہ کا کیا اعتبار ہے تو اس نے جھٹ ایک مخالف اخبار کے بیان کی تردید لکھ کر اُسے بھجوا دی کہ مجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا اور میرے بیوی بچے بھی میری تحویل میں ہیں اور پھر اس کی ایک نقل الفضل میں بھی بھجوا دی اور لکھا کہ میں احمدیت پر قائم ہوں۔ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں کہ مجھ سے میرے بیوی بچے چھین لیے گئے ہیں۔ مگر باقیوں کو یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ یہی طریق اختیار کرتے۔ انہوں نے صرف معافی کی چٹھیاں لکھ دیں۔ مگر جب اُن سے کہا گیا کہ مخالف اخباروں میں جو کچھ لکھا گیا ہے تم اُس کی بھی تردید کرو تو انہوں نے یہ بہانہ بنا لیا کہ وہ کوئی ہمارے اختیار میں ہیں کہ ہم تردید لکھیں اور وہ اسے شائع کر دیں۔ حالانکہ اگر وہ اخبار ان کے اختیار میں نہیں تھے تو الفضل تو ان کے اختیار میں تھا۔ وہ ان اخباروں کو بھی تردید بھجوا دیتے

اور الفضل کو بھی اس کی نقل بھیج دیتے۔ اگر ان میں سے کسی کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ وہ خلافت کا امیدوار ہے تو وہ لکھتا کہ ایک خلیفہ کی موجودگی میں مَیں خلافت کے امیدوار پر لعنت بھیجتا ہوں اور اس کو اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے بالکل خلاف سمجھتا ہوں۔ اور جن لوگوں نے میرے متعلق کہا ہے کہ یہ خلافت کے مستحق ہیں میں ان کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔ میں ان کو اپنا دشمن اور خبیث سمجھتا ہوں۔ اِسی طرح اَور باتیں جو سلسلہ کے خلاف لکھی ہیں ان کی تردید کرتے اور اگر دوسرے اخبار نہ چھاپتے تو الفضل میں بھجواتے اور اگر الفضل نہ چھاپتا تو میرے پاس شکایت کرتے کہ اب ہمارے لیے کونسا راستہ کھلا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ ڈیڑھ ہفتہ سے لے کر دو مہینہ تک وقت گزر چکا ہے۔ انہوں نے یہ صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ صرف مجھے معافی کے خط لکھ دیتے ہیں تا کہ سلسلہ کے دشمنوں کے ساتھ بھی دوستی قائم رہے اور میں بھی خوش ہو جاؤں۔ کوئی عقلمند اس طریق کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ صحیح طریق وہی تھا جو صالح نور نے اختیار کیا۔ ہم نے اُسے ابھی تک معاف نہیں کیا مگر اُس نے راستہ سیدھا اختیار کیا ہے اور اگر اِس طریق پر وہ چلتا رہا تو کسی نہ کسی دن اُس کی توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ لیکن دوسرے لوگوں کی طرف سے صرف معافی نامے آتے رہتے ہیں اور معافی کا جو صحیح طریق ہے اُس کو وہ اختیار نہیں کرتے۔ قریباً ہر شخص جو اس فتنہ میں ملوّث ہے اُس کی طرف سے مجھے معافی کے خطوط آ چکے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا وہ مخالف اخباروں کو نہیں پڑھتے؟ اگر پڑھتے ہیں تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ ان اخبار والوں کو لکھتے کہ ہم ان عقیدوں میں تمہارے ساتھ متفق نہیں۔ اور اگر وہ اخبار ان کے اعلانات کو نہ چھاپتے تو ہمیں لکھتے کہ ہم نے ان اخباروں کو تردیدیں لکھ کر بھجوائی تھیں مگر انہوں نے شائع نہیں کیں۔ اب "الفضل" میں ہماری طرف سے یہ تردیدیں شائع کرا دی جائیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ہمیں ان کی بات پر اعتبار آتا اور ہم سمجھتے کہ انہوں نے درست قدم اُٹھایا ہے مگر اخبارات کی تردید نہ کرنا اور ہمیں معافی کی چٹھیاں لکھتے چلے جانا بالکل غلط طریق ہے۔ اگر وہ دیانتداری سے سمجھتے ہیں کہ اخبارات میں ان کے متعلق جھوٹ لکھا گیا ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ ان اخبار والوں کی تردید کریں۔

جیسا کہ خادم صاحب نے ابھی پچھلے دنوں کیا۔ انہوں نے لکھا کہ ایک دن حاجی اللہ دتا صاحب جو گجرات کے رئیس ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے باتوں باتوں میں مجھ سے پوچھا کہ آجکل اخبارات میں آپ کی جماعت کے کسی اندرونی انتشار کا ذکر ہو رہا ہے یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا یہ ان اخبارات کا پرانا شیوہ ہے اور ہمیشہ ہمارے خلاف جھوٹی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں۔ اتنے میں ایک شخص اخبار ''سفینہ'' ہاتھ میں لے کر کمرہ میں داخل ہوا جس میں مجھے بھی مخالفوں میں شامل کیا ہوا تھا۔ میں نے حاجی صاحب کو پرچہ دیا اور کہا کہ دیکھیے اِس میں یہ لکھا ہے، آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ بتایئے کیا میں خلیفۃ المسیح کے موافقوں میں ہوں یا مخالفوں میں؟ انہوں نے کہا نہیں آپ تو بڑے مخلص ہیں۔ میں نے کہا اب آپ ہی فیصلہ کر لیجیے کہ جس طرح میرے متعلق ''سفینہ'' نے یہ جھوٹ بولا ہے اِسی طرح اَوروں کے متعلق کیوں نہیں بول سکتا۔ چنانچہ اُسی وقت انہوں نے اس کی تردید لکھ کر مجھے بھجوا دی جو الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ اِسی طرح اگر دوسرے اخبارات ان لوگوں کی جن پر شک کیا جا رہا ہے تردیدیں شائع نہ کرتے تو کم از کم اخبار ''الفضل'' میں تو وہ چھپوا سکتے تھے اور اخبار الفضل ہر احمدی جماعت میں جاتا ہے۔ اگر وہ واقع میں میری بیعت میں شامل ہیں اور اِس بیعت پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو پچاس دفعہ بھی اگر ان کو مخالف اخبارات کی تردیدیں لکھ کر بھجوانی پڑیں تو بھجوائیں اور اگر وہ شائع نہ کریں تو الفضل کو بھجوائیں۔ اگر الفضل شائع نہ کرے تو پھر بیشک میرے پاس شکایت کی جائے۔ مگر وہ یہ طریق اختیار نہیں کرتے اور پھر معافی کے خطوط لکھنا کافی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان کی طرف سے پہلے مخالف اخبار کے بیانات کی تردید ہونی ضروری ہے۔ اگر وہ یہ طریق اختیار کرتے اور دوسرے اخباروں کو تردیدیں بھجوا دیتے اور اگر وہ شائع نہ کرتے تو الفضل کو بھجوا دیتے تو یہ بالکل سیدھا راستہ تھا مگر انہوں نے یہ سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا اور صرف اتنا کافی سمجھ لیا کہ ہم نے معافی کے خطوط لکھ دیئے ہیں حالانکہ معافی کے وہ خطوط جو میرے پاس آئے ہیں ان سے غیر احمدیوں کو حقیقتِ حال کس طرح معلوم ہو سکتی ہے۔

ابھی ایک شخص کی طرف سے مجھے معافی کا پیغام آیا تو میں نے اس کے جواب میں

اسے کہلا بھیجا کہ تم پہلے فلاں فلاں بات کی تردید کرو اُس کے بعد تمہاری معافی پر غور کیا جائے گا۔ تمہارے بعض دوستوں نے ایک مجلس میں کہا تھا کہ میری کسی بیوی کے خطوط اس کے پاس موجود ہیں جن میں اس نے میرا کچّا چٹّھا لکھا ہے۔ اس کے بعد ''سفینہ'' میں بھی یہی مضمون آیا کہ ہمارے پاس ان کی ایک بیوی کے خطوط موجود ہیں جن میں اس نے ان کی کرتوتیں ایک سہیلی کو لکھی ہیں۔ میں نے کہا تمہارے دوستوں کے اس بیان اور ''سفینہ'' کے اس بیان کے بعد اگر میں تمہارے پیغاموں یا خطوں پر تم کو معاف کر دوں تو تھوڑے دنوں کے بعد تم اور تمہارے دوست ساری دنیا میں یہ پروپیگنڈا کرتے پھریں گے کہ آخر کوئی بات تھی تبھی ڈر گئے۔ پس اب تو معافی کا سوال اُس وقت پیدا ہوگا جب ایسے خطوط شائع ہو جائیں گے اور میں جواب دے دوں گا اور ساری دنیا کو میرے جواب کا علم ہو جائے گا۔ اس سے پہلے معافی دے کر اُلٹا الزام لینے سے مجھے کیا فائدہ ہے؟

بہرحال سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی راہنمائی کی ہے کہ تم مغضوب اور ضالّ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں والا طریق اختیار نہ کرو۔ اُن کا بھی یہی طریق تھا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے ایک راہ کو اختیار کر لیتے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مَورد بن جاتے۔ اگر یہ لوگ سیدھی طرح صداقت اختیار کر لیں تو نہ کوئی سزا رہتی ہے اور نہ جماعت سے اخراج کا کوئی سوال رہتا ہے۔ اگر ایک شخص الفضل والوں کو اپنے دستخطوں کے ساتھ یہ لکھ کر بھجوا دیتا ہے کہ میرے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ میں خلافت کا امیدوار ہوں یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں مَیں خلافت کے امیدوار پر لعنت بھیجتا ہوں اور اگر کوئی دوست میری نسبت ایسے خیال کا اظہار کرتا ہے کہ خلیفہ کی موجودگی میں یا اس کے بعد یہ شخص خلافت کا مستحق ہے تو میں اس کو بھی لعنتی سمجھتا ہوں۔ اسی طرح جو پیغامی یہ کہتے ہیں کہ جماعت مبائعین حضرت خلیفہ اول کی ہتک کرتی ہے میں اُن کو بھی جھوٹا سمجھتا ہوں۔ گزشتہ بیس سال میں مَیں دیکھ چکا ہوں کہ پیغامی جماعت حضرت خلیفہ اول کی ہتک کرتی رہی ہے اور مبائعین اُن کا دفاع کرتے رہے ہیں۔ تو اس کے بعد وہ ہر احمدی سے کہہ سکتے تھے کہ اب ہم اَور کیا طریق اختیار کریں۔ پھر اگر میرے پاس ان کی منافقت کی کوئی

اَور دلیل ہوتی تو میں اسے شائع کر دیتا ورنہ میں بھی سمجھ لیتا اور جماعت بھی اس نتیجہ پر پہنچ جاتی کہ اب یہ لوگ صفائی کے لیے جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے ہیں۔ مگر اب تو ہم ہی ان پر الزام قائم کر رہے ہیں اور وہ اس کی تردید کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھا رہے۔ اگر واقع میں وہ ایسے نہ ہوتے جیسا کہ ہماری طرف سے کہا جاتا ہے تو کیوں نہ وہ باہر کے اخبارات میں یا الفضل میں باہر کے اخبارات کی اور اپنے نام نہاد دوستوں اور پیغامیوں کی تردید کرتے۔ اگر وہ تردیدیں شائع کرا دیتے تو بارِثبوت ہم پر آ پڑتا۔ مگر اِدھر غیراحمدی اخباروں میں یہ چھپتے چلے جانا کہ اتنے بڑے آدمی کی اولاد موجودہ خلیفہ کے مقابلہ میں کھڑی ہے اور اُدھر ان کا ہمیں لکھتے چلے جانا کہ ہمیں معاف کر دیا جائے صاف بتاتا ہے کہ وہ دُہری خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اِدھر وہ غیراحمدیوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اُدھر ہمیں خوش کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ صحیح طریق وہی تھا جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی اَور ثبوت نہ ملتا تو ان کی براءت ہو جاتی۔ اور اگر کوئی اَور ثبوت ملتا تو اس کی تردید کا انہیں پھر موقع مل جاتا۔ وہ مجھے تو بیمار اور بڈھا کہنے کے لیے دلیر ہیں لیکن اپنے دماغوں کا علاج نہیں کرتے۔ اگر اُن کے اپنے دماغ صحیح اور طاقتور ہیں تو وجہ کیا ہے کہ انہیں سیدھا رستہ نظر نہیں آتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سات برس کا لڑکا ہو جائے تو اُسے نماز پڑھنے کی عادت ڈالو[8] جس کے معنے یہ ہیں کہ سات برس کا بچہ بھی اس دعا کو سمجھ سکتا ہے۔ مگر یہ لوگ قریباً پچاس پچاس سال کے ہو گئے ہیں اور اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکے اور ساتھ ساتھ میرے متعلق کہتے چلے جاتے ہیں کہ یہ بڈھا ہو گیا ہے اور اس کی عقل ماری گئی ہے۔ اگر تمہاری عقل سلامت ہے تو تم کیوں وہ راہ اختیار نہیں کر سکے جو بالکل صاف اور سیدھی تھی اور جس پر چل کر تم دین اور دنیا میں نجات حاصل کر سکتے تھے۔ تمہارا اس راہ کو اختیار نہ کرنا بتاتا ہے کہ تمہاری معافی کی درخواستیں بھی اپنے اندر منافقانہ رنگ رکھتی ہیں ورنہ تمہارا کام تھا کہ تم فوراً الزامات کی صحیح طریقے پر تردید کر دیتے۔ مگر یہ طریق اُن میں سے کسی کو نہیں سُوجھا۔ جس سے پتا لگتا ہے کہ اُن کے دل صاف نہیں۔ غیراحمدی اور پیغامی اخبارات ان کے

کندھوں پر بندوقیں رکھ کر ہماری طرف چلا رہے ہیں لیکن ان کو ان کی تردید کی توفیق نہیں ملتی صرف دو سطر کا معافی کا خط لکھنا آتا ہے"۔ (الفضل 22 ستمبر 1956ء)

1: الفاتحة:7

2: ترمذی ابواب تفسیر القرآن باب و من سورة فاتحة الکتاب

3: الفاتحة:6

4: البقرة:9 تا11

5: بنی اسرائیل:16

6: الفاتحة:6، 7

7: متی باب 19 آیت 24

8: ابوداؤد کتاب الصَّلٰوۃ باب متٰی یُؤمَرُ الْغُلَامُ بالصَّلٰوۃِ